حرف و سخن
HARF-O-SUKHAN
Urdu Research Journal of PAKISTAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

شیخ ایاز کے اردو مترجمین

*ڈاکٹر عظمی حسن

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، جامعہ کراچی

Abstract:

The importance and usefulness of translation increases when it is intended to cross the gulf of mutual resentment and distance, as if the art of translation is the art of human association and the importance of a translator who is skilled in this art is very important in world literature and art. increases. In relation to Urdu language and literature, especially the art of translation is of great importance, that is why many genres and their moods have not only been included in our literature but have been created in such a way that today it is known as its own local part. According to Sheikh Ayaz, "Every word has a soul that has undergone continuous evolution over centuries." The process of this spiritual familiarity makes the artist suffer from a deep awareness and this awareness sometimes asks him for blood and liver and sometimes for his head like a bagel, but a true artist takes up the cross of words and not letters on the sanctity of words. He would come.

اردو ادب کی جب بھی بات کی جائے گی تو اس کے ارتقائی ادوار سے لے کر اج تک جو جوہر اس زبان کا رہا ہے وہ زندہ زبان کی حیثیت سے دیگر زبانوں سے رابطہ تعلق کا ہے۔ زندہ زبانیں اپنے دائرہ کار اور شعور کو وسعت دیتی رہتی ہیں۔ اس عمل میں جو شہ سب سے زیادہ معاون اور مددگار ہوتی ہے وہ ہے تراجم کا عمل ۔ تراجم کی اہمیت اور افادیت زبان و ادب میں جس قدر زیادہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ تاریخ علم بشریات پر نظر ڈالیں، تہذیبوں کے ارتقاء کو دیکھیں، قوموں کے شعور سے آگاہی کا عمل موثر طور پر تراجم ہی کا مرہون منت ہے۔ انسان کے ذہنی ارتقاء اور زبانوں کی شکست وریخت سے اقوام عالم میں جو تبدیلیاں آئیں ان کے مزاج سے واقفیت کا موثر ترین ذریعہ تراجم ہی ٹھہرے۔

اردو زبان و ادب کے سلسلے میں تو خاص طور پر فن ترجمہ کی بہت اہمیت ہے کہ اسی بنا پر بہت ہی اصناف اور ان کا مزاج ہمارے ادب میں نہ صرف شامل ہوا بلکہ ایسا رچا بسا کہ آج اس کا اپنا مقامی حصہ معلوم ہوتا ہے۔

تراجم کی اہمیت اور افادیت اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب باہمی رنجشوں اور دوریوں کی خلیج کو پار کرنا مقصود ہوتا ہے گویا تراجم کا فن رفاقت انسانی کا فن ہے اور اس فن میں مہارت حاصل کرنے والے مترجم کی اہمیت دنیا ادب اور فن میں بہت بڑھ جاتی ہے۔

بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ کرنے کے لیے دو زبانوں کا جاننا ضروری ہے ایک وہ جس کا ترجمہ کیا جارہا ہے اور دوسری وہ جس سے ترجمہ کیا جائے گا لیکن بات اس قدر آسان نہیں ۔ مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں زبانوں کا ماہر ہو۔ ایک وہ جس سے ترجمہ کرنا مقصود ہو اور دوسری وہ جس میں ترجمہ کرنا ہو ۔ مترجم کو اصل مصنف کے انداز میں اور لسانی خصوصیات کے علاوہ اس کے تعلیمی معیار اور اس کے تمام حالات زندگی کے بارے میں اس کے نظریات اور عصری تقاضوں سے جس قدر واقفیت ہوگی اس کے لیے اتنا ہی بہتر ہے یعنی یہ باتیں اس کے لیے بہتر مترجم ہونے میں محدود ومعاون ثابت ہوتی ہیں یہ اور ایسی ہی بہت سی باتیں ترجمے کے کام کو دشوار بناتی ہیں ۔ ترجمہ اصل سے جس قدر قریب ہوگا اتنا ہی کامیاب ہوگا۔ ترجمے کی اصل سے قربت صرف لفظ و معنی سے ماورا بھی ایک چیز کی ضرورت ہوتی ہے جس کے متعلق صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ" ورائے شاعری چیز در ہست "اور وہ بات جسے" چیز دگر "کہا گیا ہے وہ نہ صرف تخلیقی ادب کی جان ہے بلکہ ترجمے کو بھی تخلیق کا درجہ عطا کرتی ہے۔"(۱)

ترجمے کے عمل میں جب روح شامل ہوتی ہے تو الفاظ شعور ادراک کے ساتھ ساتھ تہذیب اور روایات کی ترسیل کا مرحلہ بھی آسان ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ ایک تہذیب اور ثقافت دوسری تہذیب و ثقافت سے واقف اور وابستہ ہوتی چلی جاتی ہے ۔ فکر انسانی میں وسعت اور بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ ایک تہذیب جو دوسری تہذیب سے جدا اپنا ایک مکمل وجود رکھتی ہے۔ اس کی شناخت کی کی زبان سے عیاں ہوتی ہے اور یہ زبان ہی ہے جو اپنے سماجی گروہ سے تعلق رکھنے والوں کے مزاج کی عکاس ہوتی ہے۔ زبان کو برتنے کے طریقے اس کو جدا جدا رنگ و آہنگ دیتے رہتے ہیں اور بعض اوقات ایک جیسے معنی رکھنے والے الفاظ بھی عبارت میں اپنا مقام استعمال سے مفاہیم کو بدل دیتے ہیں ۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

الفاظ جو استعارے ہیں علامتیں ہیں عکاس ہیں اپنی اقدار، روایات ، تہذیبی عمل، تمدنی، ارتقاء، تاریخی شعور اور سفر کے اپنے برتنے والوں سے ایک گہرے شعور کا مطالبہ کرتے ہیں اور جب کوئی ماہر قلم کار ان کا حق ادا کرتا ہے تو یہ اپنے گنجینۂ معنی کا طلسم کھول دیتے ہیں، اپنے امر ہونے کی گواہی دیتے ہیں ۔

بقول شیخ ایاز" ہر لفظ کی ایک روح ہوتی ہے جو صدیوں کے مسلسل ارتقاء سے گزرتی ہے۔ "اس روحانی واقفیت کا عمل فنکار کو کرب آگہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور یہی آگاہی اس سے کبھی خونِ جگر اور کبھی بیجل کی طرح راجہ سے اس کا سر مانگ لیتی ہے مگر سچا فنکار لفظوں کی صلیب اُٹھا لیتا ہے لفظ کی حرمت پر حرف نہیں آنے دیتا۔

ترجمے کے فن میں الفاظ کی قدر و قیمت مزید بڑھ جاتی ہے اور مترجم کی ذمہ داریوں میں اس کے جواہر ذاتی کی پرکھ ہو جاتی ہے مترجم کی شخصی خوبیاں صلاحیتیں ، اس کے رجحانات ، میلانات اور سب سے بڑھ کر اس کے خلوص کی آزمائش ہوتی ہے جو دوسرے کے دامن کی آگ کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے۔مترجم کے لیے ضروری ہے کہ اس کی نگاہ میں گہرائی اور فکر کی گہرائی ہو۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ مصنف کے شعور لاشعور تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور وہ باتیں بھی سمجھ سکے جو ادیب یا شاعر کے الفاظ کی تہہ میں پوشیدہ ہوں ۔ شیخ ایاز کے مترجمیں پر بات کرنے سے پہلے ہم چند دانشورانِ ادب کے ان خیالات کا ایک نظر جائزہ ڈالتے چلیں جو انھوں نے ترجمے اور مترجم کے حوالے سے پیش کیے ہیں تو ہمیں شیخ ایاز کے مترجمیں کے فن اور مقام سے آگاہی حاصل کرنا نسبتاً سہل ہو جائے گا۔

ترجمہ کرتے ہوئے الفاظ عبارت اپنے ظاہری شکل میں اور اپنی معنوی صورت میں اکثر مترجم کو آزمائش میں ڈال دیتے ہیں اور ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے اس کو چند باتوں کا دھیان رکھنا چاہئے ۔ ان کے بارے میں سید باقر حسین کا خیال ہے کہ الفاظ کا ترجمہ کرنے میں میری رائے میں مندرجہ ذیل اصول کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔"

۱۔ ترجمہ صحیح ہونا چاہئے ۔

۲۔ حتی الامکان عام فہم ہونا چاہئے۔

۳۔ سبک اور خوبصورت ہونا چاہئے ۔(۲)

"لیکن عبارت کا ترجمہ کرنا اکثر مشکل ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں دو متضاد تقاضوں سےواسطہ پڑتا ہے ایک طرف تو یہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ ترجمہ حتی الامکان تحت اللفظ ہو۔ اصل عبارت کا محض لبِ لباب یا تبصرہ نہ ہو، اور دوسری طرف ترجمے کی زبان کا محاورہ ہاتھ سے نہ جانے پائے ۔ ہر زبان میں مخوص اسالیب ہوتے ہیں جن کا لفظی ترجمہ دوسری زبان میں نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت میں یا تو ترجمے کی زبان کا کوئی ایسا اسلوب اظہار یا محاورہ تلاش کرنا پڑتا ہے جو اصل کا لفظی ترجمہ نہ ہو بلکہ اس کے مرکزی خیال کو ادا کرتا ہو۔ یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ترجمے میں جملے کی ساخت حسب ضرورت تبدیل کرنی پڑتی ہے اور یا گھٹانے بڑھانے پڑتے ہیں تاکہ مطلب حتی الامکان صفائی اور محاورے کے ساتھ ادا ہو جائے ۔"(۳)

"ایسے الفاظ کے ترجمے سے گریز نہیں کرنا چاہئے جن کے مترادفات اردو میں پہلے سے موجود نہ ہوں ۔ زبان کو وسعت دینے کا طریقہ یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہر لفظ کا مترادف تلاش کرنے کی کوشش کی جائے ، خواہ وہ مترادف نا مانوس ہی کیوں نہ ہو ۔اصل عبارت میں جملہ اگر اس قدر پیچیدہ اور لمبا ہو کہ اس کا تحت اللفظ ترجمہ کرنے سے معنی میں الجھاؤ پیدا ہوجاتا ہو تو ایسی صورت میں جملے کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر لینا چاہئے ۔"(۴)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

سید غفران الجیلی ادبی ترجمے کے حوالے سے کہتے ہیں کہ" ادبی ترجمے کے لیے ضروری ہے کہ یہ با محاورہ کیا جائے اور اپنی زبان کے روز مرہ ، ضرب المثل تشبیہات، استعارات و کنایات اور رموز وعلامات سے کام لیا جائے تاکہ ترجمے میں ادبی رنگ آجائے اور تحریر طبع زار نظر آئے ... مصنف کی بات کو اس طرح بیان کیا جائے کہ اس کی اصل حیثیت مسخ بھی نہ ہو اور ترجمہ بامحاورہ اسلوب کے ساتھ ہو جائے ۔"(۵)

ادبی ترجمے کے بارے میں شیخ ایاز کے خیالات سے بھی کافی رہنمائی مل جاتی ہے۔ شیخ ایاز کا خیال ہے کہ" ادبی تراجم کا کام کئی باتوں کے اعتبار سے اہم ہے۔ انسانی زندگی کے رنگارنگ تجربوں کو اخذ کرنے، مختلف علاقوں کے ثقافتی ماحول کو سمجھنے اور اپنے ماحول میں ان کی پسندیدہ ثقافتی اقدار کو جذب کرنے ، دیگر زبانوں کی اعلیٰ ادبی صلاحیتوں اور اہل ادب کے نقطہ نظر کو اپنی زبان کے مزاج کی مطابقت سے قبول کرے، ادبی فکر و نظر اور تخلیقی لگن میں زیادہ گہرائی اور گیرائی پیدا کرنے ، ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کو مختلف زبانوں اور مختلف ملکوں کی ادبی روایات سے باخبر رکھنے اور زبان کو طرح طرح کے ادبی تجربوں کے قابل بنانے میں ادبی ترجموں کی افادیت سے انکار کن نہیں ... ادبی ترجمے کا کام جتنا اہم ہے اس سے کہیں زیادہ دشوار بھی ۔ ایک زبان بولنے والوں کے فکری رجحانات دوسری زبان والوں کے اندازِ فکر سے کافی حد تک مختلف ہوتے ہیں اور دوسری فکری رجحانات مختلف ہوتے ہیں بلکہ انداز بیان بھی مختلف ہوتا ہے ایسی صورت میں مترجم کو کئی قسم کی آزمائشوں سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ یہ آزمائشیں شعر و شاعری کے میدان میں نثری ادب کو بہت پیچھے چھوڑ جاتی ہیں نثر میں تو کھینچ تان کر کم و بیش الفاظ سے کام چلایا بھی جاسکتا ہے لیکن شاعری اس قسم کی کھینچا تانی کی روادار کیسے ہو سکتی ہے یہ تو اپنے اوزان کے معاملے میں اتنی سخت گیر ہے کہ ذراسی کمی و بیشی بھی گراں گزرتی ہے اور سارے کیے دھرے پر پانی پھر جاتا ہے ۔ (۶)

"۔۔۔ ضروری ہے کہ ترجمے میں اصل کا پورا خیال اور مفہوم اسی لوچ یا نرمی،اسی سختی یا درشتی ، یا اسی جاذبیت یا دلکشی اور اسی بے کیفی یا بے رنگی کے ساتھ آئے۔"(۷)

ترجمے کی خوبی ہی یہ ہے کہ مصنف کا اسلوب اور مفہوم شفاف انداز سے سامنے آئے بغیر کسی دوسرے رنگ کے بغیر کسی دوسری چھبی کے ۔

ان تمام امور پر بھرپور توجہ کرنا یقیناً ایک دشوار ترین کام ہے۔ کیونکہ بات یہیں پر ختم نہیں ہوجاتی ۔ بلکہ دانشواران ادب کے مترجم کے حوالے سے بھی بہت سی خصوصیات کا ذکر کیا ہے جس کا حوالہ دینا اس لیے ضروری ہے کہ اس سے ترجمے کے فن کی مزید وضاحت ہو جائے گی ۔ ڈاکٹر سہیل احمد نے لکھا ہے کہ:

"۔۔۔ ترجمہ نرگسیت اور خود پسندی کی ضد ہے کیونکہ ترجمہ کسی دوسرے شخص کی تخلیق سے رابطہ قائم کرنے کا نام ہے ۔ بنیادی طور پر اطاعت اور وفاداری کا اصول مترجم کر سرشت میں ہونا چاہئے ....انکساری اور ہر ادبی کام کے لیے ضروری ہے مگر ترجمہ کرنے والا تو اس کا جیتا جاگتا بوت ہے کسی دوسرے کی تخلیق کو اپنی زبان میں منتقل کرنا ایک طرح کی انکساری ہی ہے۔"(۸)

سید غفران الجیلی مترجم کی خصوصیات کے بارے میں کہتے ہیں:

"۔۔۔ اچھے مترجم کی خصوصیات میں بیت سے امور شامل ہیں مثلاً فن پاروں اور ادبی تخلیقوں، صاحب طرز ادیبوں اور مصنفوں کی کتاب کا مطالعہ، زبان کی گرامر ، روزمرہ استعارات و کنایات ، تشبیہات ، ضرب المثل ...سے واقفیت اس میں زبان کا مزاج ، رنگ ڈھنگ اور اسلوب پیرایہ بیان بھی شامل ہے۔ مترجم کے لیے تین باتیں ضروری ہیں۔

۱ -وہ اس زبان پر جس سے ترجمہ کرنا ہے اور اس زبان پر جس میں ترجمہ کیا جاتا ہے، کامل عبور اور قدرت رکھتا ہو ۔

۲ -مضمون سے اگر پوری نہیں تو کم از کم اس کے مبادیات سے واقف ہو۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

۳ -اس کا طرز تحریر اور پیرایہ بیان ایسا ہو کہ بات جو اصل مضمون میں بیان کی گئی ہے ، اسے اچھی طرح سمجھ کر اس کے مفہوم کو صحیح طور پر اس طرح اپنی زبان میں منتقل کرسکے کہ قاری ترجمہ شدہ مواد کا مطالعہ کرتے وقت کسی ابہام کا شکار نہ ہونے پائے اور جو بات اصل مضمون میں بیان کی گئی ہے اس تک قاری کے ذہن کی رسائی ہوجائے یعنی خود صاحب اسلوب ادیب ہو۔

کسی زبان کے مواد کو بعینہ دوسری زبان میں منتقل کرنا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے کیونکہ ہر زبان کا اپنا آہنگ اور مزاج ہوتا ہے اور یہ صرف اسی وقت ممکن ہے ب مترجم بھی بڑی حد تک اصل مصنف کے اوصاف کا حامل ہو وہ نہ صرف ہر دوزبانوں کی لغات پر قدرت رکھتا ہو اور ترجمہ کرتے وقت اصل عبارت کو خوب اچھی طرح سمجھ کر اس کے مفہوم کو اپنی زبان میں اس کے مزاج اور آہنگ کے مطابق اس طرح سمو کر ایسے پیرایہ بیان میں منتقل کردے کہ زبان کی سلاست و روانی اور موضوع و مفہوم کے بیان میں کہیں بھی ابہام کا شبہ تک نہ ہو سکے ...اچھا مترجم اپنے انداز بیان لب و لہجہ ، ذاتی عقل و شعور اور فہم و ادراک سے ایک کم مایہ تصنیف کو بام عروج پر پہنچا دیتا ہے ۔ اچھا مترجم وہی ہے جو موقع کی مناسبت سے موزوں ترین لفظ کا انتخاب کرتے صرف اسی وقت ممکن ہے جب مختلف لغات مترجم کے زیر مطالعہ رہیں تاکہ وہ حسب ضرورت اپنے مطلب کے لفظ چن سکے۔ علمی اصطلاح کا ترجمہ اصطلاح میں کر سکے ....اگر اصطلاح نئ ہو تو مسلمہ اصولوں کے مطابق نئ اصطلاح وضع کرسکے۔(۹)

ظ-انصاری کا خیال ہے کہ "ترجمہ کرنے والے کو اصل نقل کرنے میں ایک مصور اور اداکار کی طرح مصنف کے ہلاک ہونا پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ تالیاں بجانا، قہقہے لگانا اور کراہنا پڑتا ہے تب جاکر ترجمہ ایک آرٹ بنتا ہے اور تخلیق درجہ حاصل کرنے کے قابل سمجھا جاتا ہے ۔وہ(مترجم)اپنی طرف سے نہ مبالغہ کرسکتا ہے نہ الفاظ کی رنگ آمیزی۔"(۱۰)

"ترجمہ کرنے والے کو لازمی طور سے اصل عبارت کے الفاظ ہی نہیں بلکہ اس کے بین السطور کو بھی پڑھنا چاہئے ....ترجمہ کرنے والا اپنے وجود اپنے خیال اپنے جذبے اور اپنے قلم کو اصل مصنف کے سپرد کر دے اور یہ سوچ لے کہ اگر فلاں بات، فلاں جملہ ، تصنیف عبارت یا شعر، مصنف یا شاعر کو ہماری اس زبان میں لکھنا ہوتا تو وہ کس طرح لکھتا ۔(۱۱)

شیخ ایاز کے مطابق" ادبی ترجموں کے لیے مترجم سب سے زیادہ بھروسہ ان خیالات پر کرتا ہے جس کا اظہار کسی ادبی شاہکار میں کیا گیا ہو لیکن شاعرانہ تخلیق کسی ایسی رمزیت، افادیت اور پیچیدہ تاثرات کے لیے ہوتی ہے کہ مترجم جب تک اس کی حقیقی امانت کو نہ پائے اس وقت تک اس کے لیے وہ ایک عجیب و غریب معمہ بنا رہتا ہے- ایک اچھے مترجم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مختلف زبانوں کے مزاج اور ان کی ادبی اقدار سے پوری طرح واقف ہو اور تحقیق و تجسس کی ایسی اعلیٰ صلاحیتیں رکھتا ہو کہ کسی ادبی شاہکار کو دوسری زبان میں منتقل کرنے سے پہلے اس کی روح کو پا سکے۔ اس روح کو پا لینے کے بعد کی الجھنیں کافی حد تک کم ہو جاتی ہیں۔ مترجم کا کام نسبتاً آسان ہو جاتا ہے بشرطیکہ ترجمہ کرتے وقت وہ اپنے دل و دماغ پر اسی قسم کے احساسات و جذبات طاری کرنے کر لے جس قسم کے جذبات و احساسات اس کی تخلیق کا سبب بنے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مترجم اپنے آپ کو ہر طرف سے بے نیاز کر کے وقتی طور پر اصل فنکار کے حیاتی وجود میں گم کر دے۔(۱۲)

فروغ علم و ادب میں مترجمین کی خدمت ناقابل فراموش ہے۔ ان کی صلاحیتوں کے بارے میں مولانا صلاح الدین احمد اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں کہ" کسی قلم کار کا کمال اظہار دیکھنا ہو تو تصنیف کے بجائے ترجمے میں دیکھو۔ افکار طبع زاد ہوتے ہیں اور وہ اپنے گھر کے لباس میں خاصے بھلے معلوم ہوتے ہیں لیکن ایک اجنبی زبان کے مصنف کو، اجنبی خیالات کو اپنی زبان میں اس انداز سے منتقل کرنا کہ نہ وفا کا دامن ہاتھ سے چھوٹے نہ اظہار کی کیفیت میں فرق آئے اور نہ اپنے اسلوب بیان سے جدائی ہو، ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔(۱۳)

ترجمے کے فن اور مترجم کی خصوصیات کے بعد اب ہم اس ہستی کا ذکر کرتے ہیں جس نے 23 مارچ 1923 کو شکارپور میں جنم لیا ان کو جہان علم و ادب شیخ ایاز کے نام سے جانتا ہے۔ شیخ ایاز ایک وسیع المعالعہ شخص تھے پڑھنے لکھنے اور غور و فکر کرنے کی عادت ان کی تحریروں میں صاف نظر آتی

ہے۔ ایاز نے عالمی ادب کو نہ صرف پڑھا بلکہ ان کو محسوس کیا۔ ان پر غور و فکر کر کے اپنے زاویہ نظر اور شعور ذات کو مزید نکھارا اور وہ بصیرت حاصل کر لی جو اسرار ذات اور کائنات کو کھولتی ہے۔

> "ایاز کی اس بصیرت میں مشرق و مغرب دونوں کا حصہ ہے اس نے جہاں امارو سے لے کر اقبال تک ذہنی سفر کی منزلیں طے کی ہیں وہاں ہومر سے لے کر سارتر تک فکر کی روشنی لے کر اپنے رستوں کو اجالا ہے۔"(۱۴)

شیخ ایاز محض الفاظ کے ذخیرے سے شاعری نہیں کرتے بلکہ حقائق اور تصورات کی ماہرانہ آمیزش سے اپنے کلام کو سچائی اور حسن عطا کرتے ہیں۔ ایاز اپنے حوالے سے بتاتے ہیں کہ" میں نے ہمیشہ چاہا کہ میری شاعری حقیقت کے متعلق ہو اور حقیقت کی زبان ہو لیکن اس حقیقت پسندی کے باوجود میں خود کو ماضی کے ماضی اور مستقبل کے مستقبل کا شاعر سمجھتا رہا ہوں۔(۱۵)

اپنی ذات کا عرفاں اور خود اعتمادی کی خصوصیات ایاز کی شاعری کے لہجے کی شناخت بن کر سامنے آتی ہیں۔ اپنے مقام اور شعور کے ساتھ شیخ ایاز کو ان الفاظ کے استعمال اور تاثر کا گہرا شعور تھا بقول حمایت علی شاعر" شیخ ایاز کو لفظ کی حقیقت کا بھی ادراک ہے اور فن کی ماورائی تاثیر کا بھی۔(۱۶)الفاظ کے تاثراتی ردھم اور موسیقیت کا شعور ہے۔ ایاز کے کلام میں سچائی، موسیقیت، حسن کے ساتھ ساتھ سچے عاشق کی روح بھی نظر آتی ہے۔ ایاز اپنی مٹی کے سچے عاشق ہیں روایات اور اقدار کے امین ہیں عالمی شعر و ادب کے وسیع مطالعے کے نچوڑ اور جدید شعری حسیت کے اظہار کے لیے وہ قدیم و روایتی اصناف کو بڑے منفرد انداز سے استعمال کر سکتے ہیں۔ قدیم اصناف اور جدید حسیت کا امتزاج شیخ ایاز کا نمایاں وصف ہے۔(۱۷)

> "ایاز کی شاعری کے ساگر میں کئی دھارے آکر گرتے ہیں ہندوستانی قدیم دیومالائی تصورات کی دھرتی سنگھ سے بوجھل سی نمی، سندھ دھرتی کے اپنے مخصوص شعری ورثہ کا سرتاج اور آہنگ، ہند ایرانی تصوف کی سرمستی، جدید انسان کا سیاسی اور سماجی شعور اور ان سب پر مستزاد شیخ ایاز کے خالص اپنے ذاتی تیکھے تیوران سب سے مل کر ان کی شاعری عبارت ہے۔"(۱۸)

"ایاز نے سب سے زیادہ سمجھداری کا کام یہ کیا کہ اپنی جدید حس کے باوجود روایت سے اپنا رشتہ نہیں توڑا، بر صغیر کی شعری میں روایت کا جو خزانہ موجود ہے انھوں نے اس سے خود کو محروم نہیں کیا اور اس طرح انھوں نے اپنی شاعری کو ایک انتہائی متاثر کن پہلو دیا۔(۱۹)

ایاز کے نثر پارے بھی ان کی فکری اور فلسفیانہ زاویہ نگاہ کے عکاس ہیں ایاز کے خطوط ہوں،مضامین ہوں، ذاتی احوال کی داستانیں ہوں کہ افسانے سبھی ایاز کی شخصیت، فنکارانہ مہارت اور سچائی کے ائینہ دار ہیں۔ ان کے فلسفیانہ انداز فکر کے گواہ ہیں جن سے ایاز انسان کی ازلی تشنگی اور تلاش و جوہ اسرار میں سرگرداں انسانی گروہ کے فرد معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی منظر نگاری، تصوراتی ماحول کی تخلیق کی مہارت، شعور کی روح کا استعمال نتائج اخذ کرنے والی تجزیاتی نگاہ قابل رشک ہے اور ساتھ ہی قابل رشک ان کی قسمت ہے جس نے ایاز آشنائی کے لیے ایسے احباب مہیا کر دیئے جو ایاز آشنا ہی نہیں بلکہ مزاج آشنا بھی بنے۔ ذکر ایاز اور فکرایاز کے مؤثر ترین ابلاغ کے لیے اس خوبی سے ایاز کے رنگ کو خود میں رچایا کہ ان کی فکر اور اسلوب کے مترجم بن گئے۔

شیخ ایاز کو اپنی زندگی ہی میں کلاسیک کا درجہ حاصل ہوگیا تھا۔ ان کے چنیدہ کلام کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا جن میں اردو، پنجابی ،انگریزی ، ہندی ، بنگالی، روسی، یونانی اور فرانسیسی شامل ہے ۔ پنجابی میں شیخ ایاز کے منتخب کلام کا ترجمہ احمد سلیم نے" جو بیجل نے آکھیا "کے نام سے کیا۔(۲۰) شیخ ایاز کی منتخب کلام کا اردو ترجمہ فہمیدہ ریاض نے اور انگریزی ترجمہ آصف فرخی اور شاہ محمد پیرزادہ نے کیا ہے۔ شیخ ایاز کی علیحدہ علیحدہ نظموں کو جن شاعروں نے اردو میں ترجمہ کیا ان میں حمایت علی شاعر، محسن بھوپالی ، الیاس عشقی ، آفاق صدیقی ، انور سن رائے ، رفیق نقش بندی مصطفی ارباب ، بادل اور کئی دوسرے شامل ہیں ۔(۲۱)

شیخ ایاز کے متراجمین میں شعراء اور نثر نگار دونوں شامل ہیں ان کی شاعری کے ساتھ ساتھ افسانوں، شہ پاروں، مضامین کے بھی ترجمے کیے گئے ہیں۔ خوش قسمتی سے ایاز کو ایسے متراجمین ملے جو کہ ترجمہ کرنے کی صلاحیتوں سے مالا مال ہیں۔ ایاز کی شعری نثری تراجم کے حوالے سے آفاق صدیقی کا نام نہایت اہم ہے۔ آفاق صدیقی نہ صرف اردو شعر و ادب میں ایک مقام رکھتے ہیں بلکہ سندھی ادب کے حوالے سے بھی ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آفاق صدیقی شیخ ایاز کے گہرے دوستوں میں شامل صبح شام کا ساتھ اور مزاج آشنائی نے آفاق صدیقی کے کیے جانے والے ترجموں کو ایاز کا آئینہ بنا دیا ہے جس میں لفظیات اور خیالات ایاز ہی کے نظر آتے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ ترجمہ مترجم کی شخصیت ، رجحانات کا نکاس بھی ہوتا ہے۔ جب منصنف اور مترجم کے رجحانات میں یگانگت ہو اور موضوعات سے تعلق محض رسمی سطحی نہ ہو تو ترجمہ ایک بہترین تخلیق کا ہمزاد بن جاتا ہے۔ اس میں وہی روح سفر کرتی ہے جو اصل شہ پارے میں ہوتی ہے کسی زبان کا اصل حسن اس کے طرز اظہار، لسانی اور ثقافتی انفرادیت میں ہوتا ہے اس انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے خیالات، جذبات اور احساسات کو دوسری زبان میں منتقل کرنا ہی کمال فن ہے۔ اس فن مہارت اور خلوص کی گواہی آفاق صدیقی کے کیے ہوئے شیخ ایاز کے تراجم دیتے ہیں ۔ ملاحظہ کیجئے آفاق صدیقی کے کیے ہوئے ترجموں کی کچھ مثالیں۔

"زندگی جاوداں

زندگی جاوداں اے زندگی جاوداں
کس قدر بے کیف ہے تیرا تصور الاماں

ایسی رنگا رنگ دنیا سے چلے ہیں ہم کہاں
آرزوئیں مشک بو زلفوں میں جکڑی تھیں جہاں
ہر قدم پر اک نئی قوس و قزح کی بیڑیاں
پا بجولاں ہر نفس موجِ صبا کے درمیاں

زندگی کے رشتہ و پیوند سے منہ موڑ کر
جارہے ہیں آج اس زنجیر کو ہم توڑ کر

اس طرح جس عالم بے رنگ و بو میں دور دور
ہے فروزاں بے سبب بس ایک ہی۔ جلوے کا نور

تا ابد بارش میں جس کی میری روح بے قرار
زندگی کی دلنشیں یادوں پر ہوگی اشکبار(۲۲)

"دوہے"

پو پھٹتے ہی اوس پڑی ہے کوٹھی کھول کلال

پی لوں میں بھی جی لوں، تو بھی جئے ہزاروں سال

کوٹھی کھول کلال پیارے من ہے مالامال
پیار نہ ہو تو گلی گلی میں ملیں گے سب کنگال

ہیر جلی اور بجھ گیا رانجھا، سارا جھنگ تباہ
راکھ میں اپنی کافی ڈھونڈے بیٹھا وارث شاہ

پاؤں ہوئے پنوں کے اوجھل، راکھ ہوا بھنبھور
ہائے سسی یہ تیرے دکھڑے اور ہوا کا شور

سانجھ ہوئی پنچھی گھر لوٹے اور کبیرا روئے
اپنی اپنی جنم بھوم سے پریم سبھی کو ہوئے

مجھ کو میرے مدھ کو میلا جام مرا ٹھکرایا
اپنے من کے میلے پن کا دھیان تجھے کب آیا

پھر نہ ملے گی اس صوت کو مٹی میں مت رول
مندر کی در کھول پجاری، مندر کے در کھول

مہک پون میں برکھا رت کی اور نہ گھٹا گھنگھور
کہیں کہیں اس اجڑے تھر میں بول رہا ہے مور(۲۳)

آفاق صدیقی کے ترجمہ کیے ہوئے شعری کلام کی یہ کچھ جھلکیاں ہیں ان کی ایک بڑی خوبی تو یہی ایاز کے خیالات اور اسلوب کو ایسی روانی، بے ساختگی اور خوبصورتی سے پیش کیا ہے کہ معلوم ہی نہیں رہا کہ یہ الفاظ مصنف کے قلم سے نہیں بلکہ مترجم کے قلم سے نکلے ہیں۔

کسی زبان کی ثقافتی مہک اور پیرایہ اظہار میں لسانی لذت کی چاشنی ، جس سے کسی تخلیق کا حسن عبارت ہوتا ہے ہو بہو کسی دوسری زبان میں منتقل تو نہیں ہو سکتا لیکن صرف خیال، جذبے اور احساسات کی پرچھائیاں اتارنے کے لیے بھی دونوں زبانوں کی روایات سے آگاہی اور حسن اظہار کی بے پناہ قدرت ضروری ہے ۔(۲۴)یہی قدرت اور آگاہی ہمیں فہمیدہ ریاض کے تراجم میں نظر آتی ہے۔ فہمیدہ ریاض نے حیدر آباد سندھ سے بحیثیت ایک شاعرہ ادبی سفر کا آغاز کیا۔ ان کو سندھی زبان وادب سے بھی گہری دلچسپی رہی۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام " پتھر کی زبان "۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔۷۰ کے عشرے میں انھوں نے شیخ ایاز کی نظموں کے تراجم کا آغاز کیا اور ان کی کتاب " حلقہ میری زنجیر "کا شائع ہوکر ادبی حلقوں میں مقبول ہوئی۔ فہمیدہ ریاض نے ایاز کے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

تراجم کرتے ہوئے ان کے مزاج کے ساتھ ساتھ زبان کے مزاج کا بھی خاص خیال رکھا ہے۔ ان کے بارے میں حمایت علی شاعر کہتے ہیں کہ فہمیدہ ریاض نے اپنے ترجمے کے لیے عظمت اللہ خان ، آرزو لکھنوی اور میرا جی کی زبان منتخب کر کے سندھی زبان کی لطافت کو بڑی حد تک ضائع ہونے سے بچالیا ہے۔ اس زبان میں اور سندھی میں نہ صرف لفظی یگانگت ہے بلکہ لسانی فضا بھی کم و پیش میکساں نظر آتی ہے یہی وجہ ہے کہ اکثر مقامات پر اصل شاعری کی مہم بھی ان ترجموں میں محسوس ہونے گتی ہے۔(۲۵)فہمیدہ ریاض اپنے اندر وہ خاص جو ہر رکھتی ہیں جو ایک مترجم کو خوب سے خوب تر کی جانب رواں دواں رکھتا ہے اور وہ ہے انکساری اور دوسروں کے کلام کی بڑائی کا اعتراف کرنا وہ کہتی ہیں ۔ اگر یہ کلام آپ کو پسند آئے تو بس اتنا سمجھ لیے کہ مترجم اپنے الفاظ میں ایاز کی بے پناہ طاقتور شاعری کی چند سانسیں چھونکنے میں کامیاب ہوئی ۔(۲۶)یہاں ہم فہمیدہ ریاض،رفیق نقش اور عبدالرحمن نقاش کے کیے ہوئے ترجموں میں سے صرف چند مثالیں پیش کر رہے ہیں۔

پروئی ہے مالا اتر کی ہوا
یہاں ریت کی ہرکنی ہے رتن

برستا ہے مینہ جب یہاں ریت پر
بکھرتے ہیں موتی جھنن جھنن جھنن

کبھی سندھ کی سرمئی رات میں
اڑاتا ہے ندیا ہماری گگن

کبھی چیت کے چاند کو دیکھ کر
ہمیں یاد آتا ہے اپنا سجن(۲۷)

کس ماں کی ممتا ماری
کس ٹالک کے نکلے پران
بس نہیں ناگا ساکی پر
ناز کرے گا جگِ نادان
لگانہ میخانہ میں پتہ
باہر رات اٹھا طوفان
پھینکا میں نے جام ایاز
ویسا نہیں رہا انسان(۲۸)

"سانجھ سمے میں کالا کنچھی"
میرا من

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

جیوں بن
اڑتے اڑتے تھک جائے گا
تنہا من
میرا من
سانجھ سمے میں کالا کنچھی(۲۹)

میں جس شاخ کو ہلاتا ہوں
اس سے پتھر جھڑتے ہیں
پتھر جو کبھی سبز
کبھی سرخ ہیں
منصور ! میں تجھ سے بھی آگے نکل چکا ہوں
میرے لیے تو کوئی شبلی بھی نہیں رہا

مترجم:رفیق نقش(۳۰)

اکیسویں صدی"
اکیسویں صدی شروع ہو چکی ہے
آدھی رات کو
سمہ سٹہ سے آنے والی گاڑی

سکھر کے پل سے گزررہی ہے
اس کے قمقموں سے روشنی
پانی پر پڑ رہی ہے
پر اسرار
دل آویز
محبت کی وارفتگی کی طرح
خواجہ فرید کی کافی کی طرح
مترجم : عبد الرحمن نقاش(۳۱)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.1 2024

ایاز کے شعری ترجموں کی طرح نثری ترجمے بھی فن ترجمہ نگاری کے شاہکار ہیں گرچہ نثر کے ترجمے کو شاعری کے مقابلے میں آسان خیال کیا جاتا ہے لیکن پھر بھی ترجمہ بہر حال ایک مشکل کام ہے البتہ شیخ ایاز کے مترجمین نے اس مشکل کام کو نہایت آسانی سے انجام دیا نثر کے حوالے سے مترجمین نے ایاز کے نکتہ نظر کو ان کے افکار تک رسائی اسلوب کی انفرادیت کو بخوبی قاری تک منتقل کیا ہے۔ شیخ ایاز کے خطوط کا مجموعہ منظر عام پر آچکا ہے جو کہ کرن سنگھ کی پر خلوص کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ یہ خطوط جو کہ شیخ ایاز کے اپنے گہرے دوست ابراہیم جویو کے نام لکھے تھے محض رسمی خطوط نہیں ہیں بلکہ ان میں شیخ ایاز نے مختلف ادبی، ثقافتی ، سیاسی اور علمی موضوعات پر دلچسپ انداز میں اظہار خیال کیا ہے۔(۳۲)

کرن سنگھ نے ان تمام خطوط کے تراجم نہایت خوبصورتی سے کیے ہیں۔ موضوع کے مطابق الفاظ کا چناؤ کرن سنگھ کے ادبی رچاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔ کرن سنگھ نے ایاز کے مزاج کی بدلتی ہوئی کیفیات اور سوچتے ہوئے ذہن کی منازل کو اس ہنر مندی سے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے کہ قاری ایاز کے ساتھ کبھی جذبات کی رو میں بہہ جاتا ہے کبھی فکر کی بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے کبھی تخیل کی دنیا اور آب وگل کی دنیا کی باہمی آمیزش سے تخلیق ہوئے واقعات اس کو اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔

> "شیخ ایاز کے خطوط سے پہلے کرن سنگھ ایاز کی کتاب " ساہی وال جیل کی ڈائری " کا ترجمہ کر چکے ہیں ۔ ساہی وال جیل کی ڈائری" شیخ ایاز کی نثری تحریروں پر مشتمل ہے رنگا رنگ حالات و واقعات اور قید و بند کے تاثرات کی بڑی دلکش جھلکیاں اس نوشتے میں موجود ہیں جن کا ترجمہ کرن سنگھ نے بڑی عمدگی اور عام و سادہ زبان میں کیا ہے۔"(۳۳)

مصنف نے اس کتاب میں نہایت خوبصورتی سے منظر کشی کی ہے جو ان کے جمالیاتی حسن اور مشاہدے کی گہرائی کا ثبوت ہے۔ سیاسی حالات و واقعات علمی ادبی صورتحال پر بے ساختہ تبصرے ان کے شعور اور سچائی کے آئینہ دار ہیں ۔کرن سنگھ کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے تمام کیفیات کو ایسے اردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے جو کہ سندھی میں ان کی کتاب نہ دیکھ پایا ہو وہ بھی مکمل طور پر اس ترجمے سے وہی آسودگی حاصل کر سکتا ہے جو مصنف کی اصل کتاب سے حال ہو گی۔

نثری تراجم میں ایاز کے افسانوں کے ترجمے بھی بہترین انداز میں کیے گئے ہیں ان میں جو تاثر مصنف نے اپنے افسانوں میں پیدا کیا ہے وہی اردو تراجم میں ملتا ہے۔ ستار پیرزادہ کا تعلق سندھی زبان و ادب کے جدید اہل قلم سے ہے ان کے تخلیقی کارناموں سے قطع نظر آصف فرخی کے ساتھ انھوں نے شیخ ایاز کی شخصیت اور فن پر جو تحقیقی اور تنقیدی کتابیں" ذکرِایاز "اور" فکرِایاز "کے نام سے پیش کیں وہ ایاز فہمی میں بڑی معاون اور مددگار ہورہی ہیں۔ اس کے علاوہ شیخ ایاز کے منتخب افسانوں کو اردو کے قالب میں بہت خوش اسلوبی سے ڈھالا ہے اور مجموعی طور پر ان افسانوں کی ایک کتاب" آوارہ " کے نام سے منظر عام پر آچکی ہے۔ اس کے علاوہ رضیہ طارق، مصطفیٰ ارباب، مرحب قاسمی نے نہایت دلکش تراجم کے ذریعے ان کو اردو قارئین کے لیے قابل رسائی بنایا ہے۔

ایاز کے مضامین مصاحبے اور تقاریر کے بھی تراجم ہو چکے ہیں جس سے ان کی شخصیت اور فکر کے پہلو واضع ہو کر سامنے آئے ہیں۔

کتابیات

۱-الیاس عشقی ،ڈاکٹر،سندھی شاعری کے تراجم، مشمولہ روزنامہ جنگ،کراچی : یکم جولائی ۱۹۸۷

۲-باقر حسین ، سید، "ترجمے کا فن"، مشمولہ ترجمہ : روایت و فن ،اسلام آباد ،مقتدرہ قومی زبان ،۱۹۸۴

۳-ایضا-۱

۴-ایضا

۵-غفران الجلیلی ، سید،فن اور ترجمے کے اصول اور مبادیات ،مشمولہ ترجمہ : روایت اور فن ،محولا بالا

۶-شیخ ایاز، مترجم، "منظوم ترجمہ رسالہ شاہ عبدالطیف بھٹائی، کراچی، سندھیکا اکیڈمی ، ۱۹۹۱

۷-ظ انصاری ، " ترجمے کے بنیادی مسائل " ، مشمولہ ترجمہ : روایت و فن ، محوالہ بالا

۸-سہیل احمد، ڈاکٹر ، " ترجمہ تالیف ، تلخیص اور عکس کرنے کا فن ، " ، مشمولہ ترجمہ : روایت و فن محوالا بالا

۹-غفران الجلیلی ، سید، " فن اور ترجمے کا اصول اور مبادیات " مشمولہ ترجمہ : روایت و فن محوالا بالا

۱۰-ظ انصاری ، " ترجمے کے بنیادی مسائل " محوالا بالا

۱۱-ایضا

۱۲-شیخ ایاز،مترجم ، منظوم ترجمہ رسالہ شاہ عبدالطیف ، محوالا بالا

۱۳-حمایت علی شاعر ، " شخص اور شاعر " ، مشمولہ حلقہ میری زنجیر کا، شیخ ایاز ، مترجم فہمیدہ ریاض(،) محکمہ ثقافت و سیاحت، حکومت سندھ ، ۲۰۱۰

۱۴-ایضاً

۱۵-ایضاً

۱۶-ایضاً

۱۷-آصف فرخی ،" ایاز نامہ " مشمولہ فکر ایاز ،مرتبیں،آصف فرخی ، شاہ محمو پیرزادہ) کراچی ، مکتبہ دانیال ۱۹۹۷

۱۸-فہمیدہ ریاض ،" پیش لفظ " مشمولہ نیل کنٹھ اور نیم کے پتے ، کراچی : مکتبہ دانیال ، ۱۹۸۸

۱۹-فہمیدہ ریاض ، "شیخ ایاز سے ملاقاتیں " ، مشمولہ رسالہ تحریر ،شمارہ نمبر ۵ ، شہر : میر پور خاص ، ۱۹۹۸

۲۰-آصف فرخی ،" ایاز نامہ " محوالہ بالا

۲۱-ایضاً

۲۲-آفاق صدیقی، مترجم،کلام ایاز،مشمولہ سہ ماہی ادبیات ، شمارہ ۲۴ ، جلد ۳۰ ،اسلام آباد : ۱۹۹۳

۳۲-ایضاً

۲۴-حمایت علی شاعر،" شخص اور شاعر "محوالہ بالا

۲۵-ایضاً

۲۶-فہمیدہ ریاض ،" حلقہ میری زنجیر کا "، محوالہ بالا

۲۷-فہمیدہ ریاض مترجم" حلقہ میری زنجیر کا "، محوالہ بالا

۲۸-ایضاً

۲۹-ایضاً

۳۰-رفیق احمد نقش،مترجم، "فکر ایاز " ، محوالہ بالا

۳۱-عبدالرحمن نقاش ، مترجم ،ایضاً

۳۲-مظہر جمیل ،سید ، " جدید سندھی ادب میلانات، رجحانات اور امکانات" ،کراچی اکادمی بازیافت،۲۰۰۴

۳۳-آفاق صدیقی، پیش گفتار، مشمولہ دنیاساری خواب(ترجمہ وترتیب)، کرن سنگھ، کراچی سندھیاکہ اکیڈمی ۲۰۱۰